اسلامی تہذیب کے خدوخال اور عالمی امن میں اس کا کردار

Features of Islamic Civilization and it's Role in World Peace

سنبل اشرف*
ڈاکٹر صدف سلطان**

Abstract

None of the civilizations and religions that existed in the history of the world have the attributes of comprehensiveness, integrity and universalism. Which covers the needs of all mankind, nor has such a claim been made by any civilization or religion. The Qur'an is the only book that claims that it has complete code of life for all mankind and provides a comprehensive system that forms a comprehensive outline of all the religious, cultural factors of humanity. Only Islam is the only divine system of life that exalts the highest qualities of man and then nourishes them completely. Promoting them more and more for the construction of human society, Islam is unique and united in this field till date. Almighty Allah has placed the highest qualities in human nature. If human beings are characterized by these qualities, then humanity will be able to benefit from the capabilities, qualities and experiences of centuries of all generations.

Keywords: Features of Islamic Civilization, Justice, Equality, Social Ownership, Coordination, Condemnation of Cruelty & Injustice.

---

* پی ایچ ڈی اسکالر، لاہور کالج فار ویمن یونیورسٹی، لاہور
** اسسٹنٹ پروفیسر، لاہور کالج فار ویمن یونیورسٹی، لاہور

مغربی تہذیب انسان میں مادیت پرستی کو پروان چڑھاتی ہے جس سے مراد مادی اجسام، دنیاوی عیش و عشرت کی رغبت، ذہنی و روحانی انحطاط ہے جب انسان سب کچھ بھلا کر صرف دنیاداری میں مصروف ہو جاتا ہے تو وہ خدا سے دور ہو جاتا ہے اور اپنا مقصد زیست کھو بیٹھتا ہے، جوں جوں انسان میں مادہ پرستی زور پکڑتی ہے یوں یوں معاشرہ عدم توازن کا شکار ہو جاتا ہے، کیونکہ فرد معاشرہ کی وہ اساس ہے جس پر معاشرہ کا انحصار ہوتا ہے، کیونکہ معاشرہ انسانی فطرت کا عکاس ہوتا ہے جس کے اثرات انسانی زندگی پر براہ راست پڑتے ہیں، جس کی وجہ سے انسان تنہائی پسند ہو جاتا ہے، جس سے پورا معاشرہ محرومی کا شکار ہو جاتا ہے۔ ان حالات سے انسانیت کی نجات کے لئے واحد راستہ اسلامی تہذیب ہے ہم اس تہذیب کے چیدہ چیدہ پہلوؤں کا جائزہ پیش کریں گے جو قرآن کریم ہمیں عطا کرتا ہے اور جس میں سراسر بنی نوع انسان کی فلاح وبقا مضمر ہے۔

اسلامی تہذیب کے خدوخال:

قرآن کریم کے نزول کے وقت کرۂ ارض پر موجود انسانیت کے حالات نہایت دگرگوں تھی فتنہ وفساد اور جاہلیت کا دور دورہ تھا، قرآن حکیم جیسی کامل ہدایت پر مبنی شاہکار کتاب نے بنی نوع انسان کے طرزِ حیات کو یکسر تبدیل کر دیا، اور یہ قرآن حکیم کی تعلیمات اور رسول اللہ ﷺ کی تربیت ہی کا اعجاز تھا کہ جس سے مختلف علاقوں، رنگ و نسل سے تعلق رکھنے والے لوگ ایک وحدت بن کر ابھرے، اوس وخزرج کے قبائل عرصے دراز سے خونریز جنگوں میں مبتلا تھے، اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کی وجہ سے اخوت ومحبت کے رشتہ میں منسلک ہو گئے، صدیوں کی دشمنیاں دوستی میں تبدیل ہو گئیں پھر ان لوگوں نے اسلام کی اشاعت کا وہ عظیم کارنامہ سرانجام دیا جو کہ تاریخ کا ایک سنہری باب ہے اور جسے کوئی مؤرخ نظر انداز نہیں کر سکتا، ارشادِ الٰہی ہے:﴿وَاعْتَصِمُواْ بِحَبْلِ اللّهِ جَمِيعًا وَلاَ تَفَرَّقُواْ ------------------------- لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ﴾[1] "اللہ تعالیٰ کی رسی کو سب مل کر مضبوطی سے تھام لو اور پھوٹ نہ ڈالو اور اللہ تعالیٰ کی اس وقت کی نعمت کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی پس تم اس کی مہربانی سے بھائی بھائی ہو گئے اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے پہنچ چکے تھے تو اس نے تمہیں بچالیا، اللہ تعالیٰ اسی طرح تمہارے لئے اپنی نشانیاں بیان کرتا ہے تاکہ تم ہدایت پاؤ"۔

محمد یوسف فاروقی لکھتے ہیں: اس آیت کریمہ میں اخوت ومحبت کی نعمت کو دو مرتبہ ذکر فرمایا گیا ہے جس سے اس کی عظمت کا اظہار ہوتا ہے،، تربیت رسول اللہ ﷺ نے اس نعمتِ عظمیٰ کی قدروقیمت صحابہ کرامؓ کے دلوں میں پوری طرح اجاگر کر دی تھی، وہ نہ صرف یہ کہ اس کی قدر دل سے کرتے تھے بلکہ عملاً اس نعمت کے

حصول کی جدوجہد بھی کرتے تھے۔ مکہ مکرمہ میں حق کی پاداش میں جب مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کر دیا گیا تو انہیں اپنے گھر بار و وطن کو چھوڑ کر ہجرت کرنا پڑی۔ ان مہاجرین کا تعلق عدنانی عربوں سے تھا جو مکہ مکرمہ اور حجاز کے صحرائی علاقوں میں آباد تھے یہ لوگ بدویانہ زندگی کے عادی تھے ان کی عادات واطوار میں صحرائی قوم کے اثرات تھے، ان کی تہذیب و تمدن میں اور رسوم ورواج میں خشک صحرائی علاقوں کی تہذیب رچی بسی ہوئی تھی دوسری طرف مدینہ منورہ میں آباد اوس وخزرج کے قبائل کا تعلق قحطانی عربوں سے تھا، یہ لوگ پہلے یمن میں آباد تھے اور زراعت پیشہ لوگ تھے، اہل یمن زراعت اور نظام آب پاشی میں بہت ترقی یافتہ تھے۔ ان کی تہذیب و ثقافت میں زرعی تہذیب کے اثرات تھے، ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں جب ان دو مختلف تہذیبوں کا اجتماع ہوا۔ لیکن تاریخ گواہ ہے کہ اس اجتماع نے تصادم، تعصب اور نفرت کی راہ اختیار نہیں کی بلکہ باہمی تعاون مخلصانہ تعلقات اور جذبہ ایمانی کی وجہ سے بہت جلد معاشی اور معاشرتی تمام مسائل پر قابو پالیا گیا، رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں تہذیبوں کے افراد کی اس طرح تعلیم و تربیت فرمائی کہ صدیوں کے تہذیبی اختلافات بھی جلد سمٹ گئے۔ [2]

"وہ اپنے بھائیوں کو اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں خواہ وہ خود ہی ضرورت مند کیوں نہ ہوں"

دنیا کی تاریخ میں جتنی بھی تہذیبیں اور ادیان وجود میں آئے ان میں سے کسی میں بھی ایسی جامعیت، اور عالمگیریت نہیں پائی جاتی جو تمام بنی نوع انسان کی ضرورتوں پر محیط ہوں، اور نہ آج تک کوئی تہذیب اس کا دعویٰ کر سکی۔ قرآن حکیم وہ واحد کتاب ہے جو بنی نوع انسان کے لئے مکمل ضابطہ حیات رکھتی ہے اور ایسا جامع نظام عطا کرتی ہے جو کہ انسانیت کے تمام دینی، معاشرتی اور معاشی پہلوؤں کا احاطہ کرتی ہے۔ صرف اسلام ہی وہ واحد ربانی نظام حیات ہے جو انسان کی خصوصیات کو ابھار کر ان کی پرورش کرتا ہے، اسلام اس میدان میں آج تک منفرد اور یکتا چلا آرہا ہے۔ جو لوگ اس نظام سے منحرف ہو کر کسی اور نظام کے خواہاں ہیں، خواہ وہ نظام قوم پرستی کی بنیاد پر ہو یا وطنیت کی بنیاد پر، رنگ و نسل کو اہمیت دیتا ہو یا طبقاتی کشمکش کا علمبردار ہو یا ان جیسے اور فاسد نظریات کے خمیر سے تیار ہوا ہو، وہ لوگ بلاشبہ انسان کے دشمن ہیں وہ دراصل یہ نہیں چاہتے کہ انسان اس صفحہ ہستی پر اپنی ان بلند تر خصوصیات کے ساتھ نمودار ہو جو اللہ تعالیٰ نے اس کی فطرت میں سمو رکھی ہیں اور نہ ہی یہ پسند کرتے ہیں کہ انسانی سوسائٹی تمام انسانی نسلوں کی ہمہ گیر صلاحیتوں اور خوبیوں سے اور ان کے صدیوں کے تجربات سے استفادہ کرے، اور اس غرض کے لئے کوئی مخلوط اور متناسب نظام تجویز کرے۔ ایسے ہی لوگوں کے متعلق قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے :

﴿قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا-------------------------- آيَاتِي وَرُسُلِي هُزُوًا﴾[3]

"کہہ دیجئے کہ اگر (تم کہو تو) میں تمہیں بتادوں کہ بااعتبار اعمال سب سے زیادہ خسارے میں کون ہیں؟ وہ ہیں کہ جب کی دنیوی زندگی کی تمام تر کوششیں بے کار ہو گئیں اور وہ اسی گمان میں رہے کہ وہ بہت اچھے کام کر رہے ہیں۔یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے پروردگار کی آیتوں اور اس کی ملاقات سے کفر کیا، اس لئے ان کے اعمال غارت ہو گئے پس قیامت کے دن ہم ان کا کوئی وزن قائم نہیں کریں گے۔حال یہ ہے کہ ان کا بدلہ جہنم ہے کیونکہ انہوں نے کفر کیا اور میری آیتوں اور میرے رسولوں کو مذاق میں اڑایا"

اس ضمن میں سید قطب شہیدؒ لکھتے ہیں: قرآن حکیم نے نسل و رنگ، زبان و وطن، مادی مصلحتوں اور جغرافیائی حد بندیوں کی گھٹیا عصبیتوں اور کمزور رشتوں کو پامال کر کے صرف عقیدہ و دین کے رشتہ پر اسلامی معاشرہ کی بناِڈالی، اس معاشرے کے اندر انسان اور حیوان کے مشترک خصائص کی بجائے صرف انسانی خصائص کو ابھارا اور ان کی آبیاری کر کے ان کو غالب و برتر کر دیا۔ اس حسین امتزاج سے جو اعلیٰ درجہ کا مرکب تیار ہوا اس نے دنیا کے اندر ایک ایسی خیرہ کن اور عظیم تہذیب کو جنم دیا جس نے اپنے دور کی تمام انسانی صلاحیتوں اور انسانی فکر و دانش کا نچوڑ اپنے دامن میں جمع کر لیا تھا۔اس اعلیٰ درجہ کے اسلامی معاشرہ میں عربی، فارسی، شامی، مصری، مراکشی، ترکی، چینی، ہندی، رومی، یونانی، انڈونیشی، افریقی الغرض ہر قوم اور ہر نسل کے جوہر تاباں جمع ہوئے، ان سب کی خصوصیات یکجا ہو گئیں اور اختلاط باہم، تعاون و توافق اور ہم آہنگی و یکجہتی کے ساتھ انہوں نے اسلامی معاشرے اور اسلامی تہذیب میں حصہ لیا اور اسے چار چاند لگائے، یہ حیرت انگیز تہذیب ایک دن بھی 'عربی تہذیب' نہ تھی بلکہ خالصتاً 'اسلامی تہذیب' تھی، یہ کبھی بھی 'قومی تہذیب' نہیں رہی بلکہ ہمیشہ 'نظریاتی تہذیب' کی حیثیت سے متعارف رہی۔ہر قوم کے افراد اس میں مساویانہ شان کے ساتھ شریک ہوئے، محبت اور اخلاص کے مقدس رشتوں نے انہیں باہم منسلک کر رکھا تھا، ان کے اندر یہ احساس کوٹ کوٹ کر بھر دیا کہ وہ سب ایک ہی منزل کے راہی ہیں۔چنانچہ انہوں نے اس تہذیب کی کدمت کے لئے اپنی انتہائی قابلیتیں صَرف کیں، اپنے ممتاز نسلی خصائص کو اجاگر کر کے اسے تہذیب کے قدموں پر نچھاور کیا۔اپنے شخصی تجربات، قومی خصوصیات اور حاصل تاریخ کو اسی ایک چمن کی آبیاری اور ترقی کے لئے وقف کر دیا، جس طرف وہ سب بلا ادنیٰ تفاوت منسوب تھے جس کے اندر انہیں وہ رشتہ باہم جوڑے ہوئے تھا،

جس کا سرا، ان کے پروردگار کے ہاتھ میں تھا اور جس میں ان کی 'انسانیت' بلا روک ٹوک پروان چڑھ رہی تھی، یہ وہ نمایاں خوبیاں ہیں جو پوری انسانی تاریخ میں کسی اور انسانی اجتماع کو نصیب نہیں ہو سکیں۔[4]

قرآن حکیم زندگی کے تمام شعبوں کے بارے میں مخصوص نظریات کا حامل ہے جو انسانی نفوس کی بہترین تربیت کرتے ہیں، اب یہاں قرآن وسنت کی اس عطا کردہ تہذیب کے چند اصول وضوابط کا جائزہ لیا جائے گا جو اس تہذیب کو بقیہ تمام تہذیبوں سے ممتاز کرتے ہیں اور یہ عالمی امن کے قیام کے ضامن ہیں۔

ا:　عدل:

عدل کے لغوی معنی ہیں برابر، سیدھا کرنا، توازن اور تناسب برقرار رکھنا، افراط و تفریط سے بچنا عدل کہلاتا ہے۔ ان کے علاوہ عربی میں عدل کے لئے بہت سی اصطلاحات مستعمل ہیں جن میں حاتم، حاکم، عَدل، قِسط (انصاف) اور المُستَشار (ناصح) شامل ہیں۔ گویا عدل کے معنی ہیں سیدھا کرنا، اُونچ نیچ کی تقسیم ختم کر دینا، باہم توازن قائم کر دینا، برابر تقسیم کرنا اور افراط و تفریط کے ہر طرح کے وہم کو دور کر دینا یعنی: "وَضَعَ الشئَی" "کسی چیز کو اس کے صحیح مقام پر رکھنا"۔ اصطلاح میں افراط و تفریط سے بچ کر حقدار تک اس کے حق کا پہنچانے کا نام عدل ہے۔

﴿إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالإِحْسَانِ﴾[5] "بے شک اللہ تعالی عدل اور احسان کرنے کا حکم دیتے ہیں"۔

عدل کا مفہوم سیّد مودودی صاحب اس کی مراد واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"عدل کا تصور دو مستقل حقیقتوں سے مرکب ہے ایک یہ کہ لوگوں کے درمیان حقوق میں توازن و تناسب قائم ہو دوسرے یہ کہ ہر ایک کو اس کا حق بے لاگ طریقے سے دیا جائے اردو زبان میں اس مفہوم کو لفظ انصاف سے ادا کیا جاتا ہے مگر یہ لفظ غلط فہمی پیدا کرنے والا ہے اس سے خوامخواہ یہ تصور پیدا ہوتا ہے کہ دو آدمیوں کے درمیان حقوق کی تقسیم نصف نصف کی بنیاد پر ہوگی اور پھر اسی سے عدل کے معنی مساویانہ تقسیم حقوق کے سمجھ لئے گئے ہیں جو سراسر فطرت کے خلاف ہے دراصل عدل جس چیز کا تقاضا کرتا ہے وہ توازن اور تناسب ہے نہ کہ برابری۔ بعض حیثیتوں سے تو عدل بے شک معاشرے میں برابری چاہتا ہے مثلاً حقوق شہریت میں مگر بعض دوسری حیثیتوں سے مساوات بالکل خلاف عدل ہے مثلاً والدین اور اولاد کے درمیان معاشرتی و اخلاقی مساوات اور اعلی درجہ کی خدمات انجام دینے والوں اور کم تر درجہ کی خدمات ادا کرنے والوں کے درمیان معاوضوں کی مساوات۔[6]

یعنی اسلام میں ہر چیز کو اس کے اصل مقام پر رکھنے کا نام عدل ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ تمام لوگوں کے ساتھ برابری کا سلوک کیا جائے۔ یہ انسانی شخصیت صفت ہے جو انسانی زندگی کی بنیاد ہے اور جس نے انسانی زندگی کے ان تمام پہلوؤں کو اپنے احاطہ میں لیا ہوا ہے جو ایک دوسرے کو امن کے ساتھ رہنے کے قابل بناتا ہے۔جو آپ ﷺ کی بعثت کا مقصد تھا۔

۲: کامل مساوات:

قرآن کریم نے مساوات کے سارے لوازم کو اکٹھا کر دیا ہے۔اس حقیقت کے ادراک کے بعد اس کا خالق واحد و یکتا ہے۔اس کے نفع، نقصان کا مالک ہے تو وہ اذن خداوندی کی وجہ سے غربت، ذلت، مصیبت، موت اور تمام تکالیف کے اندیشوں سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔انسانی ضمیر اب اس بات کا محتاج نہیں رہا کہ کوئی اس کے لئے مساوات کے ضِمن میں لفظی نعرے بھی بلند کرے کیونکہ ایسا مزاج بن جانے کے بعد اب وہ ان امتیازات کو برداشت کرنے سے انکار کر دے گا جو صرف معاشی اور معاشرتی بنیادوں پر قائم ہیں۔

سیّد قطب لکھتے ہیں: حقیقی مساوات کے ادراک کے بعد وہ اپنے حقوق کا طلبگار ہو گا اور انھیں حاصل کر لینے کے بعد ان کے تحفظ میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھے گا اور اس سلسلے میں اصحابِ ثروت اور ضرورت مند افراد ایک ہی صف میں کھڑے ہوں گے جیسا کہ آج سے چودہ سو سال قبل اسلامی معاشرے میں یہی ہوا تھا۔ان باتوں کے باوجود اسلام نے آزادی ضمیر سے ضِمنی طور پر مستنبط ہونے والے مفہومات پر ہی اکتفا نہیں کی بلکہ مساوات کے اُصول کی منصوصی طور پر صراحت کر دی۔دنیا میں جب اسلام کی دعوت بلند کی گئی تو تب بنی نوع انسان سابقہ انبیاء کرامؑ کی تعلیمات کو فراموش کر کے مساوات، انسانیت کے تمام سبق بھُلا چکے تھے اور ہر کسی نے اپنے طور پر فضیلت، حقارت کے معیار قائم کر رکھے تھے جو کہ انتہائی سطحی تھے۔ان حالات میں اسلام نے مساوات کا مکمل درس دیا اور تمام سطحی امتیازات کو ختم کر کے تمام بنی نوع انسان کو انسان ہونے کی حیثیت سے باعث تکریم ٹھہرایا اور یہ واضح کر دیا کہ عمل صالح اور اعلیٰ کردار کے سوا فضیلت کا کوئی معیار نہیں عزت و شرف کے قابل صرف متقی و پاکباز لوگ ہیں اور آج بھی انسانیت کی بقاو فلاح اسی اصول کو اپنانے میں ہے۔

اس کے پیمانے قرآن کریم نے کچھ یوں طے کر دیئے:

﴿وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمَنُ وَلَدًا ----------------------------آتِيهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَرْدًا﴾[7]

"اور کہتے ہیں کہ اللہ بیٹا رکھتا ہے، (ایسا کہنے والو! یہ تو) تم بُری بات (زبان پر) لائے ہو، قریب ہے کہ اس (افتراء) سے آسمان پھٹ پڑیں اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ پارہ پارہ ہو کر گر پڑیں، کہ انہوں نے اللہ کیلئے بیٹا تجویز کیا، اور اللہ کو شایاں نہیں کہ کسی کو بیٹا بنائے، تمام شخص جو آسمانوں اور زمین میں ہیں سب اللہ کے روبرو بندے ہو کر آئیں گے، اُس نے ان (سب) کو (اپنے علم سے (گھیر رکھا اور (ایک ایک کو) شمار کر رکھا ہے، اور سب قیامت کے دن اس کے سامنے اکیلے حاضر ہوں گے "

شاہانہ خون کا دعوٰی بھی باطل ہے شاہانہ اور عام خون کی تقسیم کا دعوئ محض ایک اضافہ ہے۔

﴿أَلَمْ نَخْلُقكُّم مِّن مَّاء مَّهِينٍ--- ---إِلَى قَدَرٍ مَّعْلُومٍ---فَقَدَرْنَا فَنِعْمَ الْقَادِرُونَ﴾[8]

"کیا ہم نے تم کو حقیر پانی سے نہیں پیدا کیا؟ (پہلے) اس کو ایک محفوظ جگہ میں رکھا ایک معین وقت تک پھر اندازہ مقرر کیا اور ہم کیا ہی خوب اندازہ مقرر کرنے والے ہیں"

اسی طرح انسانی پیدائش کے مراحل وتکمیل کو قرآن کریم میں بار بار دُہرانے کا منشا یہ ہے کہ سب انسانوں کی اصل ایک ہے۔ ارشاد نبوی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم ہے:((اَنتُم بَنُو اٰ دَمَ وَاٰدَمَ مِن تُرَاب))۔[9]

جب یہ واضح ہو گیا ایک فرد کو دوسرے پر کوئی فضیلت نہیں تو کسی قوم یا نسل کا اپنے حسب نسب کی وجہ سے دوسری قوموں پر فضیلت کا دعوٰی باطل ٹھہرا۔ اسلام قبیلہ، نسل اور مذہب، مسلک ہر طرح کے تعصب سے اس حد تک بَری ہے کہ جہاں مغربی تہذیب کی رسائی ممکن نہیں اگرچہ وہ تہذیب یافتہ کے علمبردار ہیں، اور تو اور خود امریکہ کا یہ حال ہے کہ وہ اس بات کو جائز سمجھتے ہیں کہ علی الاعلان ریڈ انڈین نسل کو مٹا دینے کی منظم کوشش کرے اور گوروں، کالوں کے درمیان تفریق کو روا رکھتے ہوئے کالوں کے ساتھ وحشیانہ سلوک کرے۔ یہ تہذیب جنوبی افریقہ کی حکومت کے لئے رنگین نسل والوں کے خلاف علی الاعلان امتیازی قوانین بنانا جائز قرار دیتی ہے اور روس، چین، ہندوستان، حبشہ اور یوگوسلاویہ وغیرہ کے لئے مسلمانوں کا قتل عام مباح کر دیتی ہے۔ اسلام کا نظریہ اس سلسلے میں بالکل مختلف ہے یہ ہر اس بات خاتمہ کرتا ہے جس میں کسی بھی صورت میں برتری پائی جاتی ہو یہ صرف تقویٰ کی برتری کو تسلیم کرتا ہے۔[10]

اسی اندیشہ کے تحت آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے نصیحت فرمائی تھی:

((قال النبی ﷺ: لا تطرونی کما اطرت النصاری عیسیٰ ابن مریم فانّما انا عبداللہ ورسولہ)) [11]

"ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عمرؓ کو منبر پر یہ کہتے سنا کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میری تعریف میں اس طرح کا غلو ہر گز مت کرنا جس طرح کا غلو نصاریٰ نے عیسیٰؑ کی تعریف میں کیا تھا کیونکہ میں صرف اللہ تعالیٰ کا بندہ اور پیغام بر ہوں "

ایک دفعہ آپ ﷺ کچھ لوگوں کے پاس گئے، وہ تعظیماً کھڑے ہوگئے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

(من سترہ ان یتمثل له الرجال قیاماً۔ فلیتبو مقعدہ من النّار)۔ جسے اس بات سے خوشی ہوتی ہو کہ لوگ اس کے احترام میں کھڑے ہو جایا کریں وہ اپنا ٹھکانہ جہنم بنالے۔ایک دفعہ آپ ﷺ نے مکہ مکرمہ کے سردار ولید بن مغیرہ کو نابینا صحابی حضرت اُمّ مکتومؓ پر ترجیح دی تو اللہ تعالیٰ نے اس بات کو اس لیے ناپسند فرمایا کہ مساوات کے قانون پر زد نہ پڑے۔

۳: معاشرتی کفالت:

اسلام کا بنایا ہوا یہ نظام ایک خاندان کے مختلف افراد کے درمیان تکافل کا ایک اہم مظہر ہے جو دولت کو مسلسل تقسیم کرتا رہتا ہے اور دولت کو چند ہاتھوں میں سمٹنے کے مخالف ہے مثلاً اسلام کا نظام وراثت خاندان میں باہمی تعاون کا ذریعہ بنتا ہے۔علامہ صدر الدین اصلاحی لکھتے ہیں: فرد کی اپنی ذات اور خاندان کے ساتھ اجتماعیت کے اصول طے کر لینے کے بعد فرد، جماعت اور جماعت، فرد کے مابین بھی عدل اجتماعی کے تکافل کا اصول کار فرما ہے۔ یہ اصول ان دونوں پر کچھ ذمہ داریاں ڈالتا ہے اور اس کے ساتھ دونوں کو کچھ حقوق بھی عطا کرتا ہے چنانچہ ہر فرد سب سے پہلے اس بات کا مکلف ہے کہ اس کے ذمہ جو کام ہیں انہیں احسن طریقے سے سرانجام دے کیونکہ اس کی محنت کا پھل درحقیقت جماعت کی ملکیت ہے اور بالآخر اس کا اچھا یا برا اثر جماعت پر ہی مرتب ہوتا ہے۔

ارشاد ربانی ہے:

﴿وَقُلِ اعْمَلُواْ فَسَيَرَى اللّهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهُ وَالْمُؤْمِنُونَ وَسَتُرَدُّونَ إِلَى عَالِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ﴾[12]

"اور ان سے کہہ دو کہ عمل کئے جاؤ، اللہ اور اُس کا رسول اور مومن (سب) تمہارے اعمال کو دیکھ لیں گے اور تم غائب وحاضر کے جاننے والے (اللہ واحد) کی طرف لوٹائے جاؤ گے پھر جو کچھ تم کرتے رہے ہو وہ سب تمہیں بتادے گا"۔

ان مصالح کے باہم مربوط ہونے کی ایسی مثال پیش کی گئی ہے جس میں فرد اور جماعت دونوں پر مصالح عامہ کی رعایت رکھنے کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

((فکلکم راعٍ و کلکم مسؤل عن رعیته))[13]

"تم میں ہر ایک نگران ہے اور اس سے اس کی نگرانی میں دیئے ہوئے لوگوں کی بابت باز پُرس بھی ہونی ہے"۔

معاشرے کے افراد کے درمیان نیکی اور معروف کی حدود میں رہتے ہوئے باہمی تعاون لوگوں کی بہتری اور معاشرے کی مصلحت کا عین تقاضا ہے اور ایک لازمی فریضہ ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَتَعَاوَنُواْ عَلَى الْبرِّ وَالتَّقْوَى وَلاَ تَعَاوَنُواْ عَلَى الإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾[14]

"اور نیکی اور بھلائی کے کاموں میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کیا کرہ اور گناہ اور زیادتی کے کام میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون نہ کرو ﴿وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَأُوْلَـئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾[15]

"اور تم میں سے ایک جماعت ہے جو لوگوں کو بھلائی کی طرف بلاتی ہے اور برائی سے روکتی ہے اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں"۔

مندرجہ بالا دیئے جانے والے احکام امر بالمعروف و نہی عن المنکر سے متعلق ہیں جو امت مسلمہ کے لئے ضروری ہے اس سلسلہ میں ہر شخص سے الگ اپنے اپنے دائرہ اختیار کے مطابق پرسش ہو گی یہ فریضہ ادا نہ کرنے کی صورت میں سزا کا مستحق ہو گا۔ اس طرح پورا معاشرے میں رونما ہونے والے منکر کے بارے میں جواب دہ قرار پاتے ہیں خواہ اس میں شریک نہ رہا ہو کیونکہ جماعت ایک اکائی ہے جس کے لئے منکر اذیت ناک ہے۔ اسی طرح جماعت بھی فرد کے منکرات پر چشم پوشی سے کام لے تو اس کا مواخذہ بھی ہو گا جس کی سزا دنیا و آخرت میں ملے گی کیونکہ گناہ سے روکنے کی ذمہ داری براہِ راست اس پر عائد ہوتی ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿وَإِذَا أَرَدْنَا أَن نُّهْلِكَ قَرْيَةً أَمَرْنَا مُتْرَفِيهَا فَفَسَقُواْ فِيهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنَاهَا تَدْمِيرًا﴾[16]

"اور جب ہمارا ارادہ کسی بستی کو ہلاک کرنے کا ہوا تو وہاں کے آسودہ لوگوں کو (فواحش پر) مامور کر دیا تو وہ نا فرمانیاں کرتے رہے پھر اُس پر (عذاب کا) حکم ثابت ہو گیا اور ہم نے اُسے ہلاک کر ڈالا"۔

اس آیت مبارکہ میں جن بستیوں کو برباد کر دینے کے متعلق وعید دی گئی اس میں بستی کے تمام افراد شامل ہیں چاہے اس میں بہت سے افراد خود فسق سے دور رہے ہوں مگر اس فسق کے وجود کو برداشت کرتے رہنا ہی ان کو تباہ وبرباد کئے جانے کے لائق ٹھہراتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاتَّقُواْ فِتْنَةً لاَّ تُصِيبَنَّ الَّذِينَ ظَلَمُواْ مِنكُمْ خَآصَّةً وَاعْلَمُواْ أَنَّ اللّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ﴾[17]

"اور اُس فتنے سے ڈرو جو خصوصیت کیساتھ اُنہیں لوگوں پر واقع نہ ہو گا جو تم میں گنہگار ہیں اور جان رکھو کہ اللہ سخت عذاب دینے والا ہے"

مندرجہ بالا اصول میں ظلم کی کوئی بات نہیں اس لئے کہ جس قوم میں فواحش پھیل رہے ہوں اور منکر کا ارتکاب علی الاعلان جاری ہوں لیکن وہ اسی مٹانے کی طرف توجہ نہ کرے اس قوم کا شیرازہ بکھر جاتا ہے وہ ضرور گرتی اور زوال سے دوچار رہتی ہے اور اس نے جو روش اختیار کی اس کے نتیجے میں جو تباہی اسے نصیب ہوئی وہ ایک قدرتی اور لازمی نتیجہ ہے۔

ارشاد نبوی ﷺ ہے:

((قال ﷺ:والذی نفسی بیدہ لتامرن بالمعروف ولتنهون عن المنکر اولیو شکن الله ان یبعث علیکم عقابا منه ثم تدعونه فلا یستجیب لکم))[18]

"حذیفہ بن الیمانؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: قسم اس کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ تمھیں نیکی کی ضرور ہدایت کرنا ہو گی ورنہ عین ممکن ہے اللہ تعالیٰ تم پر اپنی طرف سے عذاب بھیج دیے پھر تم اسے پکاروگے اور تمھیں جواب نہیں آئے گا"

۴: باہمی تعاون:

اسلام بلاشبہ دین توحید ہے کیونکہ وہ کائنات کی ساری قوتوں کے درمیان وحدت و یکجہتی کا قائل ہے۔ اس کے یہاں رب ایک ہے اسلام کی شکل میں سب مذاہب کو ایک قرار دیا گیا اور آغاز حیات سے اسی دین واحد کے پیغام بر ہونے کی حیثیت سے سارے انبیاء بھی ایک ہی سلسلہ کی کڑیاں ہیں۔ یہ سارا سلسلہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے ہی منظم کیا اور انسان کو اس کی زندگی گزارنے کے آداب واصول سکھانے کا انتظام فرمایا ان اصول و قوانین میں انسان کے فطری تقاضوں کے مطابق اسے انفرادی اور اجتماع زندگی گزارنے کے قابل بنایا گیا۔

انسان ایک معاشرتی حیوان ہے ہمیشہ سے ہی مدنی الطبع ہے اور اپنی فطرت میں جماعتی زندگی کا محتاج

ہے بغیر اجتماعیت کے اس کی زندگی ناممکن ہے جیسا کہ فرد زندگی کے ہر شعبہ میں جماعت پر انحصار کرتا ہے۔اسی لئے اسلامی تہذیب میں فرد اور جماعت کے لئے باہم مربوط، منظم اصول وضع کئے گئے جن سے ایسا نظام معاشرت وجود میں آتا ہے کہ جس میں فرد اور جماعت میں باہمی تعاون، ہم آہنگی کی فضا پروان چڑھتی ہے اور اس تہذیب کے اصول اس فضا کو مستحکم کرکے اس کے نشوو ارتقاء کا باعث بنتے ہیں۔کیونکہ اسلامی نظام معاشرت کے اصول وضوابط بہت پائیدار اور عدل وانصاف سے مرکب ہیں اور اتنے جامع ہیں کہ حیات انسانی کے تمام مظاہر اور سرگرمیاں ان میں شامل ہیں۔اسلام ہر فرد کی جداگانہ شخصیت کا قائل ہے وہ انسان کو محض نظام اجتماعی کا ایک بے جان اور معطل پرزہ یاماحول کا محض ایک پرتو نہیں سمجھتا بلکہ اسے معاشرے کا انتہائی اہم جزو اور اصل قرار دیتا ہے وہ ایک طرف تو اس میں یہ احساس بیدار کرتا ہے کہ انسان اپنے اعمال کا خود ذمہ دار ہے اور ہر عمل کے لئے اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہ ہے اور ان کے سامنے ہر فرد کی ذمہ داری انفرادی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:﴿إِنْ أَحْسَنتُمْ أَحْسَنتُمْ لِأَنفُسِكُمْ وَإِنْ أَسَأْتُمْ فَلَهَا﴾[19]

"اگر اچھے کام کرتے رہو گے تو اپنے ہی نفع کے لئے اچھے کام کرو گے اور اگر برے کام کرو گے تو (ان کا) وبال بھی تمہاری جانوں پر ہو گا "

ارشاد نبوی ﷺ ہے:((عن عبد الله بن عمرؓ قال: سمعت رسول الله ﷺ يقول: كلكم راع و كلكم مسؤل عن رعيته))[20]"روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:تم سب نگران ہو اور تم سب اپنے ماتحتوں کے بارے میں جوابدہ ہو"۔

پروفیسر خورشید لکھتے ہیں:اس انفرادی ذمہ داری کے احساس کو اجاگر کرکے انسان کو معاشرے میں رہنے کے قابل بنایا گیا اب اسے مختلف حقوق وفرائض ودیعت کئے گئے پھر اس سلسلے میں نکاح کی بنیاد پر ایک منظم ومربوط خاندانی نظام مرتب کیا گیا پھر قرابتداری اور ہمسائیگی کے حقوق وفرائض وضع کئے گئے اسلامی تہذیب کے بنیادی اصول، ضوابط کے بعد اسلامی نظام معاشرت کی عام فضا خیر خواہی، تعاون، امداد، اشتراک عمل، مواساۃ، ایثار اور بھائی چارہ کی بنیاد پر قائم ہوتے ہیں۔لوگ جب آپس میں ملیں تو ایک دوسرے پر سلامتی بھیجیں ہر شخص اپنے بھائی کے لئے وہی چاہے جو وہ اپنے لئے پسند کرتا ہے ظلم، غیبت، چغل خوری، کینہ پروری، دھوکہ دہی، برے القاب سے پکارنا، حسد، بغض، تجسّس، الزام تراشی، بے حرمتی، بے عزتی کرنے اور بے جا حرف گیری وغیرہ سب سے پرہیز کرنے کا حکم دیا۔[21]

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُولِ وَتَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَالتَّقْوَى وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي
إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ﴾[22]

"مومنو! جب تم آپس میں سرگوشیاں کرنے لگو تو گناہ اور زیادتی اور پیغمبر کی نافرمانی کی باتیں نہ کرنا بلکہ نیکوکاری اور پرہیزگاری کی باتیں کرنا اور اللہ سے جس کے سامنے جمع کئے جاؤگے ڈرتے رہنا"

پھر عیب جوئی کی ممانعت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ﴿وَلَا تَلْمِزُوا أَنفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ﴾[23] "اور ایک دوسرے پر طعن نہ کرو اور نہ ہی ایک دوسرے کو برے القاب سے پکارو"۔

اسی طرح ارشاد نبوی ﷺ ہے: ((قال ﷺ: لا یومن احدکم حتی یحب لاخیه او قال لجاره ما یحب لنفسه))[24] "انسؓ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! قسم اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کوئی بندہ اس وقت تک کامل ایمان والا نہیں ہوتا جب تک اپنے بھائی کے لئے یا اپنے پڑوسی کے لئے بھی وہ بھلائی نہ چاہے جو اپنے لئے چاہتا ہے"۔

گویا اسلام معاشرے کی عام فضا کو مثبت افکار سے بھر دینا چاہتا ہے اور اس کی نظر میں زندگی تعاون، ہمدردی کا نام ہے۔ انفرادی ذمہ داریوں کے بعد معاشرے میں باہمی تعاون، ہم آہنگی کی فضا کو مستحکم کرنے کے لئے اسلام نے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ مسلمانوں کو سونپا کہ یہ انفرادی و اجتماعی طور پر لازمی فریضہ ہے اسی طرح اسلام ان میں اجتماعی ذمہ داری کا تصور بھی پیدا کرتا ہے اور پورے معاشرے میں یہ احساس پیدا کرتا ہے کہ وہ نیکیوں کو قائم کرنے والا، برائیوں کو روکنے والا اور ایک دوسرے کی مدد کرنے والا ہو۔ ایسی انفرادیت جس میں دوسروں کے حقوق کا خیال نہ رکھا جائے اور جو اجتماعی ذمہ داری کے تصور سے ناآشنا ہو وہ اسلام کو مطلوب نہیں، ملت اسلام کے ساتھ وابستگی ہر صورت میں لازم ہے،

حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

((عن ثابت بن ضحاک قال: قال النبی ﷺ: من حلف بغیر ملة الاسلام فھو کما قال، و من قتل نفسه بشئی عذب فی نار جھنم))[25]

"ابن ضحاکؓ سے روایت ہے حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس نے ملت اسلام کے علاوہ اور کسی بھی بات پہ حلف (عہد) لیا تو اس نے کفر کیا اور جس نے کسی مسلمان کو بغیر حق کے قتل کیا تو وہ جہنم کے عذاب میں رہے گا" ۔

ان عمومی ہدایات کے بعد اسلام نے انسانوں کے باہمی حقوق و فرائض کا ایک مکمل نظام بھی دیا جس میں بھائی بھائی کے حقوق، اہل خانہ کے حقوق، رشتہ داروں کے حقوق، اہل محلّہ کے حقوق نیز غیر مسلمانوں اور عام انسانوں کے حقوق حتیٰ کہ جانوروں اور درختوں تک کے حقوق کو واضح اور متعین کر دیا گیا ہے تا کہ انسان محض جذبات کی رو میں بہ کر نا انصافی کا مرتکب نہ ہو اور معاشرہ صحتمند بنیادوں پر قائم رہے اور ارتقاء کے مدارج طے کرتا رہے۔

حیدر زمان صدیقی اس سلسلے میں لکھتے ہیں: اسلام نے اجتماع نوع انسانی کی بنیاد صرف دنیاوی منافع کے تصور پر نہیں رکھی تا کہ انسانی ذہن خود غرضیوں کی آماجگاہ بن کہ نہ رہ جائے اور جیسا کہ نیکی کے کاموں میں تعاون اور برائی کے کاموں سے منع کرنے کا حکم دیا گیا تعاون یقیناً ضروری ہے انسان فطرتاً ایک دوسرے کا تعاون چاہتا ہے لیکن اس تعاون کی بنیاد بھی برّ و تقویٰ، خدا پرستی اور پرہیز گاری پہ ہونی چاہیئے اور ثم و گناہ، بے اعتدالی، بے راہ روی میں ہم وطن و ہم قوم تو کجا اپنے باپ اور بیٹے کے ساتھ بھی تعاون نہیں کیا جاسکتا۔ افراد میں اجتماع کی بنیاد نہ نسل ہو سکتی ہے نہ وطن اور نہ ہی رنگ وزبان ہو سکتے ہیں۔ ان بنیادوں پر اسلامی نظام معاشرت میں افراد کی تقسیم کر دی گئی مثلاً نیکوکار اور بدکار میں دوستی ممکن نہیں، ظالم اور عادل کا باہم جوڑ نہیں اور اچھے و برے انسان کا باہمی تعلق نہیں ہو سکتا ہے۔[26]

قرآن کریم بنی نوع انسان کی نفسیاتی تربیت ایسے بہترین انداز میں کرتا ہے کہ جس سے ان کے نفوس و قلب تزکیہ کے عمل سے گزر کر خالص ہو جاتے ہیں، پھر ایسے لوگوں کے طرز عمل سے وجود میں آنے والی تہذیب سے جو نظام معاشرت تشکیل پاتا ہے اس میں مکمل وحدت، تعاون اور ہم آہنگی کی فضا پنپتی ہے اور اسلامی تہذیب کے اصولوں پر عمل پیرا ہونے سے یہ فضا مزید مستحکم ہوتی ہے اس میں نشوو ارتقاء کا عمل جاری و ساری رہتا ہے جو کہ اسلامی نظام معاشرت کی جڑیں مضبوط کرنے کا باعث بنتا ہے اور نتیجتاً ایک مثالی معاشرے کا قیام عمل میں آتا ہے جو کہ دنیاوی واخروی فلاح کے راستے پر گامزن ہوتا ہے اور یہی قرآن حکیم کا مقصود ہے۔ جب انسان کا نفس ونفسیات قرآنی ابلاغ کی تاثیر سے متصف ہو جائیں گے تو وہ اس کے تخصصات کا اسلامی نظام معاشرت میں اپنی اپنی بساط کے مطابق اطلاق کرے گا تو ہر جگہ پہ جہاں بھی انسانی رویوں اور حقوق و فرائض کے تعین کی بات آئے گی تو وہاں قرآنی ابلاغ کے نظام اخلاق کی روح کارفرما نظر آئے گی۔ نظام اخلاق میں وہ تمام رویئے شامل ہیں جو انسانی فطرت کا حصہ ہیں اور ان میں انفرادی و اجتماعی دونوں رویئے شامل ہیں

باہمی حقوق و فرائض عدل اجتماعی کی بنیاد ہیں ان دونوں کا آپس میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ قرآنی ابلاغ کے حقوق و فرائض کی تقسیم میں نہایت فطری، جامع اور اکمل ہے جو کہ انسانی فطرت کے تمام تر پہلوؤں کو مد نظر رکھتے ہوئے حقوق و فرائض کا تعین کرتا ہے اور اس کے ساتھ جنس کی بنیاد پہ مختلف جسمانی ساخت کے تقاضوں کو بھی مد نظر رکھتا ہے۔اس ضمن میں قرآن کریم کا اسلوب نہایت اچھوتا اور منفرد ہے یہ حقوق کی بجائے فرائض کی بات کرتا ہے جیسا کہ اسلام لوگوں کو کبھی بھی اس طرح مخاطب نہیں کرتا کہ تمھارے یہ یہ حقوق ہیں اور انھیں ہر حال میں حاصل کرو بلکہ وہ لوگوں کی تربیت ان خطوط پر کرتا ہے کہ تمھارے یہ یہ فرائض ہیں تم حقوق حاصل کرنے کی جنگ کے بجائے اپنے فرائض ادا کرنے پر توجہ دو کیونکہ حقوق و فرائض کا تو چولی دامن کا ساتھ ہے اس طرح جب فرائض ادا ہوں گے تو حقوق خود بخود ملتے جائیں گے جیسا کہ ایک کا فرض دوسرے کا حق ہوتا ہے اور دوسرے کا فرض پہلے کا حق ہوتا ہے۔اس طرزِ فکر سے انسان کی ایسی نفسیاتی تربیت کرنا مقصود ہے جو کہ اسے جارح ہونے سے بچاتی ہے اور وہ متشدّد نہیں ہوتا یعنی اس فلسفہ زندگی سے حقوق و فرائض میں توازن وتناسب کا بہترین امتزاج نکھر کر سامنے آتا ہے۔

۵: ظلم وناانصافی کی مذمت:

عدل و انصاف رحم و کرم،عفو و درگزر اور احسان و سلوک سے جس طرح انسان سنورتا ہے،معاشرہ سرسبز ہوتا ہے، دنیا شادو آباد ہوتی ہے،اسی طرح ظلم سے انسانی فطرت مسخ ہو جاتی ہے،اس کی درندگی سے معاشرہ تباہ ہوتا ہے اور دنیا ویران ہو جاتی ہے اس لئے قرآن کریم میں جتنی عدل واحسان کی توصیف و قیامِ عدل کی تاکید ہے،اس سے زیادہ ظلم کی مذمت بیان ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ ظلم کو پسند نہیں کرتا۔اس سلسلے میں فرمایا گیا:﴿وَأَغْرَقْنَا آلَ فِرْعَونَ وَكُلٌّ كَانُواْ ظَالِمِينَ﴾[27]"اور آل فرعون کو غرق کر دیا اور وہ سب ظالم تھے"۔﴿وَكَذَلِكَ أَخْذُ رَبِّكَ ---- وَهِيَ ظَالِمَةٌ إِنَّ أَخْذَهُ أَلِيمٌ شَدِيدٌ﴾[28]"اور تمہارا رب جب نافرمان بستیوں کو پکڑا کرتا ہے تو اس کی پکڑ اسی طرح کی ہوتی ہے، بیشک اُس کی پکڑ دکھ دینے والی (اور) سخت ہے"

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ظالموں کے لئے مزید وعید بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ ظالموں پر تو خدا کی پھٹکار ہے یعنی یہ واضح کر دیا کہ ظالم لوگ خدا کی رحمت سے محروم رہیں گے۔

﴿أَلاَ لَعْنَةُ اللّهِ عَلَى الظَّالِمِينَ﴾[29]" ہاں ظلم کرنے والوں پر خدا کی پھٹکار ہے" ﴿وَمَن يَظْلِم مِّنكُمْ نُذِقْهُ عَذَابًا كَبِيرًا﴾[30]"اور جو بھی تم میں سے ظلم کرے اسے ہم سخت عذاب کا مزہ چکھائیں گے"۔

اسی بناپر اسلام میں زندگی کے ہر شعبے میں عدل کو بڑا مقام حاصل ہے۔ اور ظلم اسلامی نظام حیات میں ایک بہت بڑا جرم اور گناہِ عظیم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ زبان نبوت ﷺ سے بھی عدل و انصاف کی فضیلت کا بیان ہوا اور ظلم وجور کی مذمت کی گئی۔ جیسا کہ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: "جو انصاف کی کرسی پر بیٹھ کر انصاف سے گریز کرے، اس پر اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتے اور تمام انسانوں کی لعنت ہو"۔ نیز فرمایا: "جس نے خود سے مسلمانوں کے لئے منصف بننے کی خواہش کی اور اسے یہ منصب مل گیا، اس کے بعد اس کے انصاف نے ظلم وزیادتی کو مغلوب کر ڈالا تو بلاشبہ، اس کے لئے جنت ہے اور اگر اس کا الٹا ہوا تو پھر اس کا ٹھکانہ جہنم ہے"۔ اس کے علاوہ عادل امام کے لئے خوشخبری دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

((قال رسول اللہ ﷺ: ثلاث لا یرد دعوتھم، الامام العادل، والصائم حین یفطر، ودعوۃ المظلوم))[31]

"حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تین لوگوں کی دعا کبھی رد نہیں کی جاتی، امام عادل (منصف) کی، روزہ دار کی جب تک وہ افطار نہ کر لے اور مظلوم کی" (ابو عیسیٰ کہتے ہیں کہ اس حدیث کی اسناد قوی نہیں ہیں اور اسناد متصل نہیں ہیں اور یہ حدیث ایک اور جگہ ابوہریرہؓ سے مروی ہے:

((قال رسول اللہ ﷺ: ثلاث دعوات مستجابات: دعوۃ المظلوم، دعوۃ المسافر، دعوۃ الوالد علی ولدہ))[32]

"حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تین اشخاص کی دعا ضرور قبول ہوتی ہے، مظلوم کی دعا، مسافر کی دعا، والد کی اپنی اولاد کے حق میں کی گئی دعا" (ابو عیسیٰ کہتے ہیں یہ حدیث حسن ہے)

((قال رسول اللہ ﷺ:((ان المقسطین، عند اللہ علیٰ منابر من نور، عن یمین الرحمن عزوجل، وکلتا یدیہ یمین، الذین یعدلون فی حکمھم و اھلیھم وما ولوا))[33]

"حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: بے شک انصاف کرنے والے اللہ تعالیٰ کے ہاں رحمن عزوجل کی دائیں جانب نور کے منبروں پر ہوں گے اور اس کے دونوں ہاتھ دائیں ہیں، یہ وہی لوگ ہوں گے جو اپنے فیصلوں اپنے اہل و عیال اور ان سب لوگوں کے جو ان کی ذمہ داری ہیں (کے ساتھ عدل کرتے ہیں)"۔

حضور اکرم ﷺ نے خود اپنے عہد میں عدل و انصاف کے تمام تر تقاضوں کو عملاً پورا کر کے دکھایا اور اپنے اسوۂ حسنہ سے انصاف کا ایک ایسا نظام پیش فرمایا کہ آج تک دنیا اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ اسی طرح صحابہ کرامؓ کی زندگیوں کا بھی مطالعہ کریں تو مطالعہ کرنے والے کو ہر جگہ اسوۂ رسول ﷺ کے مطابق عدل و انصاف کی حکمرانی نظر آئے گی۔ جس میں چھوٹے بڑے، امیر و فقیر، شریف و وضیع، اور سلطان و

گداکی کوئی تمیز باقی نہیں ہے۔کیوں کہ اسلامی قانون کی نظر میں سب برابر ہیں۔احادیث میں مختلف عنوانات سے ظلم کی مذمت کی گئی ہے اور بڑی وعید آئی ہے۔مسلم کی ایک طویل حدیث قدسی کا ایک ٹکڑا ہے:

((یا عبادی انّی حرّمتّ الظلم علی نفسی و جعلته بینکم محرماً فلا تظالمو ا))[34]

"اے میرے بندو، میں نے اپنی ذات پر ظلم حرام کر لیا ہے اور تم لوگوں کے درمیان بھی ظلم حرام کیا ہے اس لئے ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو"۔

((عن جابربن عبد الله،ان رسول الله ﷺ قال: اتقوُا الظُّلم فانّ الظُلم ظلمات یوم القیامة))[35]

"حضرت جابر بن عبد اللہؓ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ظلم سے بچو، کیوں کہ ظلم قیامت کے دن کے ظلمات (اندھیروں) میں سے ہے"۔

خدا اور مظلوم کی بد دعا کے درمیان کوئی حجاب نہیں ہے جیسا کہ فرمایا گیا۔

((عن ابن عباس ؓ ان النبی ﷺ بعث معاذا الی الیمن، فقال: اتق من دعوة المظلوم فانّها لیس بینها و بین الله حجاب))[36]

"حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے حجرت معاذؓ کو یمن کا گورنر مقرر کرتے ہوئے فرمایا: مظلوم کی بد دعا سے بچو، کیوں کہ اس کے اور خدا کے درمیان کوئی حجاب نہیں ہے"۔

حضرت ابو موسیٰ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ ظالم کو ڈھیل دیتا ہے، لیکن جب اسے پکڑ لیتا ہے تو پھر نہیں چھوڑتا اور یہ آیت تلاوت فرمائی:﴿إِذَا أَخَذَ الْقُرَى وَهِيَ ظَالِمَةٌ إِنَّ أَخْذَهُ أَلِيمٌ شَدِيدٌ﴾[37]"تو اس کی پکڑ اسی طرح کی ہوتی ہے، بیشک اُس کی پکڑ دکھ دینے والی (اور) سخت ہے"

((عن ابی ہریرہ ؓ قال: قال رسول الله ﷺ: من کانت له مظلمة لاخیه من عرضه او شئ فلیتحلله منه الیوم قبل ان لا یکون دینار ولا درهم، ان کان له عمل صالح اخذ منه بقدر مظلمته و ان لم یکن حسنات اخذ من سئیات صاحبه فحمل علیه)) [38]

"حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے اپنے بھائی پر کسی طرح کا ظلم کیا ہو، اس کی آبروریزی کی ہو یا کوئی اور ظلم کیا ہو، اسے چاہئے کہ آج اس دن سے پہلے اپنے ظلم کو معاف کرا لے، جب اس کے پاس دوسروں کو دینے کے لئے درہم و دینار کچھ پاس نہ ہوں گے، ورنہ اس کے پاس جو نیک عمل ہوں گے، وہ بقدر ظلم اس سے چھین لئے جائیں گے اور اگر نیک عمل ہوں گے تو مظلوم کے گناہ لے کر اس پر ڈال دئے جائیں گے"۔

اس قسم کی اور بہت سی روایتیں ہیں جن سے ظلم کی مذمت ثابت ہوتی ہے۔ مذمت کے ذریعے لوگوں کی اصلاح کرنے کے ساتھ ساتھ اسلام نے لوگوں کی ترغیب و تحریک کے لئے انعامات کا ذکر کرتے ہوئے خوشخبری بھی سنائی۔ انصاف کے راستے پر قائم رہنے والوں کے لئے قرآن پاک میں بہت مرتبہ خوشخبری دی گئی اسی طرح حضرت محمد ﷺ کے بھی بہت سے ارشادات گرامی ہیں۔ جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((قال رسول الله ﷺ القضاة، ثلثة واحد فی الجنة واثنان فی النّارا فامّا الّذی فی الجنة فرجل عرف الحق فجارفی الحکم فھوفی النّارورجل قضٰی للنّاس علٰی جھل فھوفی النّار))[39]

" حضرت بریدہؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: قاضی (منصف) تین قسم کے ہیں۔ ایک قسم جنت میں جائے گی اور دو قسمیں دوزخ میں۔ جنت کا حقدار وہ شخص ہے، جس نے حق کو پہچان کر اس کے مطابق فیصلہ کیا اور جس نے حق کو پہچان کر فیصلہ کرنے میں ظلم کیا، وہ دوزخ میں ہے۔ اسی طرح جس شخص نے جہالت میں لوگوں کے فیصلے کئے، وہ بھی دوزخ میں ہو گا"۔ ابو داؤد کہتے ہیں: یہ صحیح حدیث ہے۔

غیر مسلم منفی تہذیبی اثرات کے باعث جو افراتفری و بدامنی عصر حاضر کا حصہ بن چکی ہے تو ایسے حالات میں عالمی امن وقت کی نہایت اہم ضرورت ہے اب ہم قرآن حکیم کی روشنی میں ان چند بنیادی اصولوں کا مختصر سا جائزہ لیں گے جو کہ عالم انسانیت کو امن کا گہوارہ بنا سکتے ہیں۔

اسلامی تہذیب میں عالمی امن کے اصول:

قرآن کریم جس نظام کی دعوت دیتا ہے وہ بنی نوع انسان کی تمام انفرادی و اجتماعی ضروریات کی تکمیل کرتا ہے، جیسا کہ قرآنی ابلاغ تمام انسانیت کے لئے ہے تو اس پیغام سے جنم لینے والی تہذیب میں سے چند اہم تخصصات کا تذکرہ کیا جا رہا ہے جو کہ بلاشبہ افراتفری کے اس موجودہ عالم میں عالمی امن کے قیام کا باعث بن سکتے ہیں، ان کی پیروی کرنے میں بلا تفریق تمام انسانوں کی بھلائی و فلاح ہے۔

1: وحدانیت الٰہی:

ارشاد ربانی ہے:

﴿قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْاْ إِلَى كَلَمَةٍ سَوَاء بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلاَّ نَعْبُدَ إِلاَّ اللّهَ وَلاَ نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلاَ يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضاً أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللّهِ فَإِن تَوَلَّوْاْ فَقُولُواْ اشْهَدُواْ بِأَنَّا مُسْلِمُونَ﴾[40]

”آپ کہہ دیجئے کہ اے اہل کتاب! ایسی انصاف والی بات کی طرف آؤ جو ہم میں اور تم میں برابر ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں، نہ ہی اس کے ساتھ کسی کو شریک بنائیں، نہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر آپس میں ایک دوسرے کو رب بنائیں، پس اگر وہ منہ پھیر لیں تو تم کہہ دو کہ گواہ رہو ہم تو مسلمان ہیں “

قرآن کریم میں امن وسلامتی کے تصورات دین کی سب سے اہم بنیاد توحید سے قریبی تعلق رکھتے ہیں۔توحید صرف ایک کلامی مسئلہ نہیں ہے بلکہ اسے کلیدی مقام حاصل ہے یہ عقیدہ ہر شخص سے اس کے عمل، رویئے، انداز فکر اور معاشرتی معاملات سے تنازع اور تضاد کو دور کرنے کے لئے شعوری کوشش کا مطالبہ کرتا ہے۔انسان کی زندگی کے بامقصد اور اخلاقی ضابطہ پر عمل پیرا ہونے کے لئے توحید سب سے زیادہ اہم قوت محرکہ ہے تحقیقی نگاہ سے جائزہ لیا جائے تو نہ صرف انسانی زندگی بلکہ کائنات میں موجود ہر غیر روح یا ذی روح وحدانیت اور اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کے مکمل طور پر تابع نظر آتے ہیں۔توحید ایک ایسا پہلو ہے جو کہ غیر مسلم کے لئے بھی کامیاب زندگی کی نوید دیتا ہے یعنی دو عملی اور دہرے نظام اخلاق کی جگہ صرف ایک اعلیٰ اصول کی پیروی کرنا، توحید کا یوں آفاقی سطح پر اور انسانی زندگی میں کار فرما ہونا اسے غیر مسلموں کے لئے بھی قابل قبول بنا دیتا ہے۔توحید کا اصول، خیال اور عمل میں مطابقت، انفرادی اور معاشرتی سطحوں پر تنازعات کے حل کے لئے ایک عالمی قابل عمل حل پیش کرتا ہے۔

2: انصاف وتناسب:

اللہ جل شانہ قرآن حکیم میں ارشاد فرماتے ہیں:

﴿فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَأَقْسِطُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ﴾[41] ”اور جب صلح کراؤ تو ان کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو، کیونکہ اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتے ہیں“

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ كُونُواْ قَوَّامِينَ لِلّهِ شُهَدَاء بِالْقِسْطِ وَلاَ يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَى أَلاَّ تَعْدِلُواْ اعْدِلُواْ هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَى﴾[42] ”اور کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم عدل نہ کرو۔عدل کرو، یہی تقوی کے قریب ہے “

اسلامی تہذیب کا دوسرا اہم تخصص عدل وانصاف ہے جو معاشروں میں امن قائم کرتا ہے قرآن کریم میں کم از کم عدل کے سات پہلو بیان کئے گئے ہیں۔سب سے پہلا اور اہم اصول قانون کی حکمرانی، قانونی مساوات اور انسانی جان کی قدر ہے قانون کی حکمرانی کا نفاذ معاشرے کے مختلف حصوں پر بنیادی طور پر اثر انداز ہوتا ہے۔اسلامی قانون انسانی بنیادی حقوق کے معاملے میں مسلم اور غیر مسلم میں فرق نہیں کرتا غیر مسلم شہری کی

جان، مال اور عزت بھی مسلم کی ہی طرح قیمتی ہے۔ زندگی کی حفاظت اولین قدر وقیمت کی حامل ہے معاشرے میں امن صرف اسی صورت ممکن ہے جب انسانی زندگی کے تحفظ کو سب سے زیادہ فوقیت دی جائے انسانی جان کی حفاظت معاشرے میں پائیدار امن وسلامتی کے لئے ٹھوس بنیاد فراہم کرتی ہے۔ قرآن کریم محض انسانی جان کے ضیاع کی لفظی مذمت نہیں کرتا بلکہ ایک انسان کے ناحق قتل کو پوری انسانیت کا قتل قرار دیتا ہے نبی کریم ﷺ نے پودوں، پرندوں اور جانوروں تک کو ناحق نقصان پہنچانے کو بھی ممنوع قرار دیا۔

3:　　معاشرت اور معیشت میں توازن:

ارشاد باری تعالیٰ ہے :﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ كُونُواْ قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاء لِلّهِ وَلَوْ عَلَى أَنفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالأَقْرَبِينَ﴾[43]"اور جب تم (گواہی کی) بات کہو تو عدل کو ملحوظ رکھو چاہے اگرچہ کوئی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو"۔ ﴿أَوْفُوا الْكَيْلَ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُخْسِرِينَ-وَزِنُوا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيمِ﴾[44]" (دیکھو) پیمانہ پورا بھرا کرو اور نقصان نہ کیا کرو اور ترازو سیدھی رکھ کر تولا کرو"۔

معاشرتی سطح پر قرآن کریم مغرب اور مشرق کے تصور انفرادیت پسندی کو تسلیم نہیں کرتا چنانچہ ایک جانب وہ اصولی طور پر انسان کو اجتماعیت پسند اور معاشرہ میں اخلاقی طور پہ ایک ذمہ دار مخلوق قرار دیتا ہے۔ اور دوسری جانب معاشرتی فلاح اور عدل کے قیام کے لئے خاندان اور معاشرہ کا ایک نقشہ عمل تجویز کرتا ہے جو نہ صرف خونی رشتہ داروں بلکہ معاشرے کے مفلوک الحال افراد کی جان۔ مال اور عزت وشہرت کی پوری حفاظت کی ضمانت فراہم کرتا ہے۔ حقوق اللہ کے بعد حقوق العباد کی ادائیگی کو ایمان کی شرط قرار دیتا ہے اور اس بنا پر امن کے گھر (دار السلام) کی خوشخبری سناتا ہے۔ یہ اخلاقی تخصص انسان کو معاشرتی، معاشی اور سیاسی معاملات میں اخلاقی رویہ اختیار کرنے کے حکم کے ساتھ اس بات کی سرزنش کرتا ہے کہ وہ مالی بدعنوانی، سیاسی حقوق کی پامالی اور معاشرہ میں عدم تحفظ جیسی صورتحال پیدا کرتا ہے بلکہ اسلامی قانون کے نظام میں مسلم اور غیر مسلم بلا تفریق ہر فرد تجارتی معاملات میں دیانت، سیاسی میدان میں حاکمیت الٰہی اور معاشرتی معاملات میں امن، اخوت، محبت اور عفو ودرگزر کے ذریعہ پر سکون زندگی گزارتے ہیں۔ علاوہ ازیں منصفانہ اور شفاف اقتصادی لین دین کی تلقین کرتا ہے جہاں سود کو اللہ تعالیٰ اور ان کے رسول ﷺ کے خلاف اعلان جنگ قرار دیا گیا ہے اور اس کے علاوہ بھی ایسے تمام زرائع کی ممانعت کر دی گئی جن سے کسی کا حق مارا جاتا ہو۔

4:　　آزادی اظہار رائے:

ارشاد ربانی ہے :﴿وَمِنْ آيَاتِهِ خَلْقُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافُ أَلْسِنَتِكُمْ وَأَلْوَانِكُمْ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّلْعَالِمِينَ﴾[45]

"تمھاری زبانوں اور رنگوں کے اختلاف میں جاننے والوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں"۔

قرآنی ابلاغ بلا تفریق انسانی مساوات سیاسی آزادی اور حریت کو لازم وملزوم قرار دیتا ہے جو کہ عالمی امن کے قیام کے لئے ضروری ہیں قرآن کریم تمام انسانوں کو صلاحیت اور اخلاقی برتری کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ کے خلیفہ کی حیثیت سے یکساں قرار دیتا ہے اور جماعت سازی اور معاملات کا فیصلہ کرنے میں مشاورت کو لازم قرار دیتا ہے۔ اسلام نہ تو موروثی سیاست کی اجازت دیتا ہے نہ ایسے سیاسی نظام کی جو جابرانہ قوانین اور قوت کے استعمال سے اللہ تعالیٰ کے بندوں پر قابض ہونے کے لئے کی جائے۔ محمد رفیق چوہدری لکھتے ہیں: آپ ﷺ نے یہ بھی واضح کیا کہ انسانوں پر ان کے مالک کا ایک خاص کرم ہے کہ اس نے انسان کو آزاد پیدا کیا جیسا کہ انسان کو مجبورًا مسلمان بنانا منافی اسلام ہے قادر مطلق ہونے کے باوجود مالک نے انسانوں کو یہ اختیار دیا کہ اگر وہ چاہیں تو اسلام قبول کریں چاہے تو انکار کر کے کفر اختیار کریں اگر اسے جبر منظور ہوتا تو کرّہ ارض پر کوئی کافر نہیں ہوتا اسلام نے اس بات پر بہت زور دیا کہ انسان اپنی رائے میں صراحت سے کام لے وہ قول کا سچا ہو منافقت کو اسی لئے لعنت قرار دیا کہ اس میں انسان اپنے اوپر ظلم کرتا ہے یعنی نفس پہ جبر کرتا ہے مسلمان منافق نہیں ہوتا۔ یعنی انسان کو اپنے رب کی طرف سے مکمل آزادی فکر اور آزادی عمل حاصل ہے جو کہ تمام انسانوں کو برابری اور عزت کے مقام پر لا کھڑا کرتی ہے اور یہ انسانیت کی معراج ہے۔ گویا اسلام دنیا کی بنائی ہوئی وطنی، لسانی یا نسلی قومیتوں کے تصور کو بالکل رد کرتا ہے اور اس کے بجائے انسان کو ایک عالمگیر وحدت کے رشتے میں پروتا ہے اور اسے ایک اکائی تصور کرتا ہے اور اتنی بات مانتا ہے کہ اجتماعی زندگی کے ارتقاء ونشو نما کے لئے قوموں اور گروہوں کا وجود ایک معاشرتی اہمیت ضرور رکھتا ہے مگر یہ عارضی اہمیت حق وناحق کا معیار نہیں ہے اور نہ اس کی حمیت اور عصبیت اس درجہ ہونی چاہیئے کہ وہ دوسروں کی حق تلفی کا سبب بن جائے۔[46]

5: حکمت پر مبنی رویہ:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:﴿وَقُولُواْ لَهُمْ قَوْلاً مَّعْرُوفًا﴾[47]"اور انہیں معقولیت سے نرم بات کہو"۔﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا﴾[48]"اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور سیدھی سیدھی (سچی) باتیں کیا کرو"۔

عالمی امن کے قیام کے تناظر میں قرآن کریم انسانی رویہ اور طرزِ عمل میں دانش مندی کو بنیادی اہمیت دیتا ہے اور ایک ایسے معاشرے کا قیام چاہتا ہے جس میں فیصلوں کی بنیاد جذباتیت پر نہ ہو اسلام دل و دماغ میں اس روایتی تفریق کو پسند نہیں کرتا کہ جس میں دل جذبات کا مرکز ہو اور دماغ عقلی فیصلے کرے چنانچہ قلب و دماغ کو مبنی بر حق طرزِ عمل کی تربیت دیتا ہے جو لوگ منفی جذبات کی بناپر فیصلے کرتے ہیں ان کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا:﴿لَهُمْ قُلُوبٌ لاَّ يَفْقَهُونَ بِهَا﴾[49] یعنی ان کے سینوں میں قلب تو ہیں مگر وہ ان سے غور و فکر نہیں کرتے۔ عالمی امن کے قیام کے لئے چوتھا بنیادی اصول معقول رویہ اور شخصی و معاشرتی معاملات میں تدبر، غور و فکر کے بعد حکمت عملی وضع کرنا ہے۔ اس لئے انفرادی طرزِ عمل ہو یا سیاسی، معاشی اور بین الاقوامی حکمت عملی ہو ہر شعبہ میں عقلی رویہ اور نتائج کو سامنے رکھتے ہوئے ایسی حکمت عملی کو وضع کیا جائے جو کہ عالمی امن اور عدل کے قیام کی راہ ہموار کرے۔

6: نسل انسانی کی بقاء اور حرمت:

قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے :﴿وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُم مِّنْ أَنفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُم مَّوَدَّةً وَرَحْمَةً﴾[50] ”اور اُسی کے نشانات میں سے ہے کہ اُس نے تمہارے لئے تمہاری ہی جنس کی عورتیں پیدا کیں تاکہ ان کی طرف (مائل ہوکر) آرام حاصل کرو اور تم میں محبت اور مہربانی پیدا کردی“۔

﴿هُوَ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ إِلَيْهَا﴾[51]

”وہ اللہ ہی تو ہے جس نے تمہیں ایک شخص سے پیدا کیا اور اُس سے اُس کا جوڑا بنایا تاکہ اُس سے راحت حاصل کرے“

عالمی امن کے قیام کے لئے پانچویں قدر انسانی رشتوں کا احترام، نسل کا تحفظ اور ایسے انسانی معاشرہ کا قیام ہے جس میں انسانی وجود گمنام نہ ہو بلکہ ہر فرد اپنے خاندانی تشخص کا حامل ہو۔ جن معاشروں میں پیدا ہونے والے بچے گمنام ہوتے ہیں اور اپنے شجرہ سے آگاہ نہیں ہوتے ہیں وہ قومیں عدم تشخص اور شناخت نہ ہونے کے سبب کم عمری کے جرائم، تشدد اور اخلاق باختگی کا شکار ہو جاتی ہیں۔ اس لئے امریکہ اور دیگر مغربی ممالک میں Teen age جرائم کا بڑا سبب جینیٹک گمنامی قرار دی جاتی ہے۔ تحفظ نسل کا یہ اخلاقی اصول معاشرتی اور عالمی امن کا ماحول پیدا کرنے میں بنیادی کردار ادا کرتا ہے اسلامی نظام معاشرت میں مجرد افراد کے نکاح کا باقائدہ بندوبست کرنا ریاست کی ذمہ داری ہے۔

7: رواداری اور اقلیت کا تحفظ:

ارشاد باری تعالیٰ ہے :﴿لاَ إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ قَد تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ﴾[52]

"دین کے معاملے میں کوئی زبردستی نہیں ہے، ہدایت ضلالت سے روشن (الگ) ہو چکی ہے"۔

عالمی امن کے قیام کو ممکن بنانے کے لئے اسلامی تہذیب کے تخصصات مذہبی آزادی اور کثریت کے اصول کو تسلیم کرتے ہیں لہٰذا ایک اسلامی ریاست میں ایک سے زائد مذہبی اور ثقافتی روایتوں کا وجود نہ صرف ممکن ہے بلکہ ایک تاریخی حقیقت ہے مدینہ منورہ میں اہل ایمان کے ساتھ یہود کا وجود اور نجران میں بسنے والے عیسائیوں کو یکساں انسانی حقوق کی فراہمی یہ ثابت کرتی ہے کہ اسلامی ریاست میں غیر مسلم شہریوں کو اپنے مذہب و ثقافت پر عمل کرنے کی مکمل آزادی ہے۔ سلام رواداری پر مبنی معاشرہ جو کہ بنیاد پرستی اور مذہب کی تفریق سے آزاد ہو جاتا ہے جس کی مثال ہمیں آج کے نام نہاد روشن خیال اور انسان دوست معاشروں میں نظر نہیں آتی مثلاً فرانس اور جرمنی میں اسکارف کے استعمال پر پابندی اس دو عملی کی مثال ہے جو کہ بظاہر سیکولر معاشرہ ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں مگر اسلام اس دو عملی کی شدت سے مذمت کرتا ہے اور رواداری، مذہبی، ثقافتی آزادی کے قیام کے ذریعہ بین الاقوامی سطح پر امن کے امکانات کو مزید روشن کر دیتا ہے۔

8: قانون کی حکمرانی:

اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے:﴿وَإِذَا حَكَمْتُم بَيْنَ النَّاسِ أَن تَحْكُمُواْ بِالْعَدْلِ﴾[53]"اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل وانصاف کے ساتھ کرو"۔

ڈاکٹر محمود احمد غازی لکھتے ہیں: قرآنی ابلاغ کا اہم پہلو قانون کی حکمرانی کا قیام ہے یعنی معاشرہ کے کمزور اور طاقتور طبقات میں سے ہر ایک کے لئے یکساں منصفانہ نظام قانون اور اس کے قیام کے لئے ایک صالح قیادت کو ذمہ داری سونپنا جو کہ صلاحیت وایمان اور امانت کے سخت ترین معیار پر پوری اترتی ہو کیونکہ یہ تو عدل کا بنیادی تخصص ہے کہ ہر چیز کو اس کے اصل مقام پر رکھا جائے تو اہل افراد ہی فرائض کی انجام دہی کر سکتے ہیں۔ عالمی امن اور عدل کے قریبی تعلق کا ایک اور اہم پہلو عدل کے مفہوم کی ایک اہم شکل ہے یعنی نسل، مذہب، جنس اور رنگ ونسل سے بلند ایسے قانون کا نفاذ ہے جو کہ تمام انسانوں کو معروضی طور پر عدل فراہم کر سکے یہ وہ اہم ساتواں اصول ہے جو کہ اسلامی شریعت کی آفاقیت اور عالمگیریت کا ثبوت ہے عالمی امن اور عدل اس وقت صحیح معنوں میں قائم ہو سکتا ہے جب اس کی بنیاد یہ آفاقی اور عالمی اصول ہوں جو کسی خطے و قوم یا نسل کی بنیاد پر وجود میں نہ آئے ہوں۔ [54]

اسلامی تہذیب کے یہ آٹھ پہلو جو اس کے نظام عدل کے پورے مفہوم کا خلاصہ ہیں صرف مسلمانوں یا کسی خاص وقت اور مقام کے ساتھ مخصوص نہیں ہیں یہ آفاقی اور اخلاقی اصول ہیں جو امن، باہمی مفاہمت اور تعاون کی جانب سے رہنمائی کرنے والے عالمی مکالمے کے لئے ٹھوس بنیاد فراہم کرتے ہیں۔ یہ اصول تہذیبی کثریت پر مبنی ایک عالمی، اخلاقی نظام تعمیر کرنے کے لئے بنیادیں فراہم کرتے ہیں ان اصولوں کا نفاذ نہ صرف مسلم معاشروں میں بلکہ غیر مسلم معاشروں میں بھی کیا جا سکتا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ان اصولوں پہ یقین رکھنے والی ایک جماعت وجود میں آئے جس کی اخلاقی قوت کا یہ اصل سرمایہ ہوں یہ جماعت چاہے تعداد میں محدود ہو اپنی اثر انگیزی کے لحاظ سے ایک انقلابی کردار ادا کر سکتی ہے اور عدل و امن سے محروم انسانیت کو نیا حوصلہ اور عزم دے کر ایک روشن مستقبل کی تعمیر میں کامیاب ہو سکتی ہے۔

نتائج (Conclusion):

آخر میں اس بحث کو سمیٹتے ہوئے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اسلامی تہذیب ہی ہر لحاظ سے جامع ہے جو کہ بنی نوع انسان کی کامیابی کا واحد راستہ ہے۔ قرآن کریم کی بنیاد پہ قائم تہذیب بنی نوع انسان کی زندگی کے تمام پہلوؤں کے متعلق اصول و ضوابط رکھتی ہے جو انسان کی تمام ضروریات خواہ روحانی ہو یا مادی، انفرادی ہو یا اجتماعی، علاقائی ہوں ریاستی یا بین الاقوامی ہوں سب کو پورا کرتی ہے۔ اور اس تصور کے مطابق ایک ایسا نظام معاشرت تشکیل پاتا ہے کہ جس میں ریاست کی یہ ذمہ داری ہو کہ وہ لوگوں کو تمام ضروریات زندگی فراہم کرے مثلاً اقامت صلوٰۃ، ایتائے زکوٰۃ، امر بالمعروف و نھی عن المنکر، رضائے الٰہی کا حصول، بنیادی انسانی حقوق، احترام انسانیت، قانون کا احترام، قیام امن، تحفظ جان، تحفظ مال، تحفظ سکونت، معاشی سہولتیں، کام کے برابر مواقع، معاوضہ، جنسی مساوات، عصمت کا تحفظ، مذہبی آزادی، آزادی اظہار رائے، انفرادی آزادیاں، عزت اور حیثیت عرفی کا تحفظ، نظم حکومت کا دخل اور مشورہ، مشفقانہ برتاؤ، جرائم کا انسداد، نظام عدل کا نفاذ اور حدود اللہ کا نفاذ وغیرہ سب شامل ہیں۔ آج ضرورت اس امر کی ہے کہ اس تہذیب کو عام کیا جائے لوگوں تک اس پیغام کو اس کی روح کے مطابق پہنچایا جائے، قرآنی پیغام اپنے اندر جو ایک زبردست قوت تاثیر رکھتا ہے وہ تاثیر انسانوں کی نفسیات کو حد درجہ متاثر کرتی ہے۔ عصر حاضر میں دنیا ایک گلوبل ویلیج بن چکی ہے تو ایسے میں مغربی تہذیب کی یلغار کو محض پروپیگنڈہ کرنے سے روکنا محال ہے، نہ ہی ظاہر پرستانہ دین داری اس کے آگے رکاوٹ بن سکتی ہے۔ اس کے لئے ہمیں قرآنی ابلاغ کی طرف ہی لوٹنا ہوگا اور اس کی روشنی میں تہذیب کے وہی خدوخال اختیار کرنے ہوں گے جن کی دعوت یہ پیغام دیتا ہے، اس پیغام میں انسانی تربیت کا بنیادی نکتہ تزکیہ نفس ہے کیونکہ یہی وہ طریقہ ہے کہ انسان قرآنی ابلاغ پر من و عن عمل پیرا ہونے کے لئے رضامند ہو جاتا ہے، نفس کی پاکیزگی ہی دنیاوی اصلاح اور اخروی فلاح کی ضامن ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:﴿هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا

----مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ﴾ [55] "وہی ہے جس نے ناخواندہ لوگوں میں ان میں سے ہی ایک رسول بھیجا جو انہیں اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور ان کو پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب وحکمت سکھاتا ہے، یقیناً یہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے"۔

﴿قَدْ أَفْلَحَ مَن تَزَكَّىٰ﴾ [56] "بے شک وہ کامیاب ہوا جس نے خود کو پاک کیا" ﴿قَدْ أَفْلَحَ مَن زَكَّاهَا---وَقَدْ خَابَ مَن دَسَّاهَا﴾ [57] "وہ کامیاب ہوا جس نے نفس کو پاک کیا۔ اور نامراد ہوا جس نے اس کو آلودہ کیا"۔ اب لوگوں کے دل ودماغ میں اس حقیقت کو راسخ کرنے کی ضرورت ہے کہ ان کی نجات وفلاح اپنے نفس کی پاکیزگی میں ہے نہ کہ مغربی تہذیب کے شعار کو اپنانے میں ہے، یہ تو سراسر گھاٹے کا سودا ہے دنیا میں ذلت اور آخرت میں تو دائمی رسوائی کا سبب ہے اور جو لوگ اسلامی تہذیب کے نظام سے منحرف ہو کر کسی اور نظام کے خواہاں ہیں، خواہ وہ نظام قوم پرستی کی بنیاد پر ہو یا وطنیت کی بنیاد پر، رنگ و نسل کو اہمیت دیتا ہو یا طبقاتی کشمکش کا علمبردار ہو یا ان جیسے اور فاسد نظریات کے خمیر سے تیار ہوا ہو، وہ لوگ بلاشبہ انسان کے دشمن ہیں۔ جب انسان کی نفسیات میں یہ تصور راسخ ہو جائے تو وہ سات پردوں میں بھی گناہ پہ آمادہ نہیں ہو گا۔

مزید تحقیق کے لئے چند ممکنہ نکات :

ہماری رائے میں اس موضوع کے متعلق مزید تحقیق کے لئے مندرجہ ذیل نکات زیر بحث لائے جاسکتے ہیں :

1: مغربی تہذیب کے عناصر اور دنیا پر ان کے اثرات کا جائزہ لیا جاسکتا ہے۔

2: عالم اسلام پر مغربی تہذیب کے مرتب کردہ منفی اثرات کا جائزہ لیا جاسکتا ہے۔

حواشی وحوالہ جات

[1] آل عمران 103:3

[2] محمد یوسف فاروقی، عہدِ رسالت ﷺ میں معاشرہ اور مملکت کی تشکیل، اظہار القرآن: لاہور، 2006، ص: 53، 55 ملخصاً

[3] الکہف 103:18، 106

[4] سید قطب شہید، جادہ ومنزل، اسلامک پبلی کیشنز، لاہور، اپریل 2013ء، ص: 112، 113، 115 ملخصاً

[5] النحل 90:16

[6] ابوالاعلیٰ، سیّد مودودی، اسلامی تاریخ وتمدن، اسلامک پبلی کیشنز، لاہور، 1996ء، ص: 157

[7] مریم 88:19، 95

[8] المرسلات 20:77، 23

[9] سنن أبي داود، کتاب الأدب، باب: في التفاخر بالأحساب، رقم الحدیث: 5116، ص: 720

[10] سیّد قطب، العدالۃ الاجتماعیۃ فی الاسلام، دار الشروق بیروت۔ لبنان، 1415ھ۔1995م، ص:44، 47 ملخصاً

[11] صحیح بخاری، کتاب احادیث الانبیاء، باب قول اللہ تعالیٰ {وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ مَرْيَمَ إِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ أَهْلِهَا} (مریم 16:19)، رقم الحدیث:3445، ص: 580

[12] التوبۃ9:105

[13] صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب {قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا} (التحریم 66:6)، رقم الحدیث:5188، ص:926

[14] المائدہ5:2

[15] آل عمران3:104

[16] الاسراء17:16

[17] الانفال8:25

[18] جامع الترمذی، کتاب الفتن، باب ماجاء فی الامر بالمعروف والنھی عن المنکر، رقم الحدیث:2169، ص:98

[19] الاسراء17:7

[20] صحیح بخاری، کتاب الجمعۃ، باب الجمعۃ فی القری والمدن، رقم الحدیث:893، ص:144

[21] خورشید احمد، پروفیسر، اسلامی نظریہ حیات، شعبہ تصنیف و تالیف ترجمہ، کراچی، 1979ء، ص:405، 406 ملخصاً

[22] المجادلہ58:9

[23] الحجرات49:11

[24] صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب الدلیل علی ان من خصال الایمان ان یحب لاخیہ المسلم ما یحب لنفسہ من الخیر، رقم الحدیث:170، ص:41

[25] صحیح بخاری، کتاب الایمان والنذور، باب من حلف بملۃ سوی (ملۃ) الاسلام، رقم الحدیث:6652، ص:1149

[26] حیدر زمان صدیقی، اسلامی نظریہ اجتماع، نفیس اکیڈمی آفسٹ پرنٹرز، پاکستان، ط:1، 1983ء، ص:18-20

[27] الانفال8:54

[28] ھود11:102

[29] ھود11:18

[30] الفرقان25:19

[31] جامع الترمذی، کتاب صفۃ الجنۃ، باب ما جاء فی صفۃ الجنۃ و نعیمھا، رقم الحدیث:2526، ص:574

[32] جامع الترمذی، کتاب الدعوات، باب ما ذکر فی دعوۃ المسافر، رقم الحدیث:3448، ص:788

[33] صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب فضیلۃ الامیر العادل و عقوبۃ الجائر، والحث علی الرفق بالرعیۃ، والنھی عن ادخال المشقۃ علیھم، رقم الحدیث:4721، ص:819

[34] صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب تحریم الظلم، رقم الحدیث:6572، ص:1128

[35] صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب تحریم الظلم، رقم الحدیث:6576، ص:1129

[36] صحیح بخاری، کتاب المظالم، باب الاتقاء والحذر من دعوۃ المظلوم، رقم الحدیث:2448، ص:395

[37] ھود 102:11

[38] صحیح بخاری، کتاب المظالم، باب من کانت لہ مظلمۃ عند الرجل فحللھا لہ، ھل یبین مظلمتہ، رقم الحدیث:2449، ص:395

[39] سنن أبي داود، أول کتاب القضاء، باب في القاضي یخطيء، رقم الحدیث:3573، ص:513

[40] آل عمران 64:3

[41] الحجرات 9:49

[42] المائدہ 8:5

[43] النساء 135:4

[44] الشعراء 181:26، 182

[45] الروم 22:30

[46] محمد رفیق چوہدری، اسلام اور نظریہ مساوات مرد وزن، ادارہ معارف اسلامی منصورہ، لاہور، س۔ن، ص:84-88 ملخصاً

[47] النساء 5:4

[48] الاحزاب 70:33

[49] الاعراف 179:7

[50] الروم 21:30

[51] الاعراف 189:7

[52] البقرۃ 256:2

[53] النساء 58:4

[54] محمود احمد غازی، ڈاکٹر، اسلام کا قانون بین الممالک، شریعہ اکیڈمی بین الاقوامی یونیورسٹی، اسلام آباد، پاکستان، س۔ن، ص:209، 210 ملخصاً

[55] الجمعہ 2:62

[56] الاعلیٰ 14:87

[57] الشمس 9:91، 10